© rasailojaraid.com

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم

پاکستان

چند سوال اور ان کا جواب

ان اللّٰہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی ۔ یعظکم لعلکم تذکرون (اللّٰہ حکم دیتا ہے عدل کا، احسان کا، قرابت مندوں کو دینے کا، اور بے حیائی، قابل نفرت اور بغاوت کی باتوں سے روکتا ہے ۔ تمھیں وہ نصیحت کرتا ہے کہ شاید تم پند حاصل کرو)۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللّٰہ (تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے برپا کی گئی ہے ۔ تم معروف کا حکم دیتے ہو اور منکر سے روکتے ہو اور اللّٰہ پر ایمان رکھتے ہو)۔

برصغیر کے مسلمانوں نے قیامِ پاکستان کو اپنا نصب العین قرار دیا اور اللّٰہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہ حصولِ مقصد میں کامیاب ہوئے ۔ اب جب کہ پاکستان قائم ہوئے دس سال پورے ہو گئے ہیں قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس مدت میں مسلمانوں نے اپنے عمل سے بھی اس کا کوئی ثبوت دیا ہے یا نہیں کہ وہ پاکستان کے متعلق جو کچھ کہتے تھے صدقِ دل سے کہتے تھے اور اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کا عزمِ صمیم رکھتے ہیں ۔ ذیل میں چند ایسے ہی اہم سوالوں کا جواب دیا گیا ہے ۔

سوال ـــــ پاکستان کن محرکات وتصورات کی بدولت معرضِ وجود میں آیا؟

جواب ـــــ برعظیم پاک وہند کے وسیع خطے میں ملتِ اسلامیہ کے کوئی دس کروڑ انسان بستے تھے لیکن تبلیغِ اسلام کے فریضۂ الٰہی میں کوتاہی اور غفلت کی بدولت کوئی ایک ہزار برس کے دوران میں بھی ان کی تعداد اس خطۂ عظیم کی کثیر آبادی میں صرف ایک چوتھائی کے قریب تھی ۔ مسلمان مختلف حصوں میں منتشر تھے ۔ کہیں زیادہ اور کہیں کم ۔ انگریزی سامراج نے اپنی قوت واقتدار سے اس وسیع ملک کو بغرضِ حکومت ایک وحدت بنا دیا تھا لیکن یہ وحدت محض عارضی اور سطحی تھی، کیونکہ یہ کسی ایسی قوم کی وحدت نہ تھی جو مذہب وتہذیب اور رسوم ورواج یا زندگی کی نسبت کسی مشترک زاویۂ نگاہ کی بدولت افرادِ ملت کی شیرازہ بند ہوتی ۔ انگریز اپنی حکمتِ عملی اور سیاسی دور اندیشی کی وجہ سے اس ملک کی حکومت سے دست بردار ہو کر یہیں کے باشندوں کو اپنی تقدیر کا مالک بنا کر جلد سے جلد اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا کیونکہ اس کو اب اس ملک پر براہِ راست حکومت کرنے اور سیاسی

© rasailojaraid.com

استبداد سے کسی ٹھوس منفعت کی توقع نہ تھی ۔ اب سوال یہ تھا کہ یہ وسیع مملکت کس قوم کے حوالے کی جائے ۔ یہاں ازل سے کوئی ایک قوم نہ تھی جس کو کسی لحاظ سے بھی ملتِ واحدہ کہہ سکیں اور جو اپنے اندازِ حیات اور سیاسی و معاشی مقاصد میں یکسانی رکھتی ہو ۔

انگریزوں سے خود اختیاری حکومت حاصل کرنے کی جدوجہد میں مسلمان کسی سے کم نہ تھے ۔ انڈین نیشنل کانگرس میں بھی درحقیقت جان اس وقت پڑی جب مسلمان آزادی کی اس جدوجہد میں شریک ہوئے تھے ۔ انگریزی سامراج نے جب انتقال کی ٹھان لی تب بھی مسلمان ایک عرصۂ دراز تک اس وسیع خطے کی جغرافیائی تقسیم کے خواہاں نہ ہوئے ۔ اگرچہ ان کا صاحبِ بصیرت مفکر حکیم ملت اقبالؒ بہت قبل مسلمانوں کے سامنے ایسا تصور پیش کرچکا تھا ۔ مسلمان اس تقاضے میں اس لیے بھی ہچکچاتے رہے کہ کوئی ایسی جغرافیائی تقسیم ممکن نہ تھی جس میں ملت اسلامیہ سب کی سب یک طرف ہوکر غیر مسلموں سے علیحدہ ہوسکے ۔ اس لیے مسلمانوں نے ایک مدت تک یہ کوشش کی کہ اس برصغیر کی وحدت سیاسی ٹوٹنے نہ پائے لیکن مسلمانوں کے حقوق اس میں اس درجہ محفوظ ہوجائیں کہ وہ بے خطر اور بے دریغ ایک متحدہ مملکت میں اطمینان سے زندگی بسر کرتے ہوئے اس کی ترقی اور استحکام میں حصہ لیں ۔ مگر غیر مسلم برادرانِ وطن کوئی ایسی ضمانت دینے کو تیار نہ تھے ۔ ان کے شعور اور تحت الشعور میں یہ یقین جاگزین تھا کہ انگریزوں کے نکل جانے کے بعد انگریزوں کی بنائی ہوئی جمہوریت کے ڈھانچے میں وہ ایک مسلمان کے مقابلے میں تین یا چار ہوں گے ۔ دولت پہلے ہی ان کے پاس مسلمانوں سے دس بیس گنا زیادہ تھی جدید تعلیم میں بھی وہ پیش پیش تھے ۔ ملک ہاتھ آنے پر وہ محض اکثریت کے زور سے جو چاہیں گے کریں گے اور مسلمانوں کی مفلس اور منتشر اقلیت ان کے خودغرضانہ مقاصد میں حائل نہ ہوسکے گی ۔

اس حقیقی خطرے سے بچنے کے لیے مسلمان مجلسِ آئین ساز کی نمائندگی میں اپنی آبادی کے تناسب سے کسی قدر زائد حصہ مانگتے تھے تاکہ ان کی آواز اہم امورِ سلطنت میں بالکل صدا بہ صحرا نہ ہو ۔ اور ملازمتوں میں بھی ایک خاص تناسب کی ضمانت طلب کرتے تھے ۔ مگر دوسری طرف سے مصالحت اور دلجوئی کا کوئی مؤثر قدم نہ اٹھتا تھا ۔ بلینک چیک پیش کیے جاتے تھے مگر اس پر کوئی دستخط نہ ہوتے تھے ۔ مسلمانوں کو یہ یقین ہوگیا کہ اگر صورتِ حال یہی ہے تو مشترکہ مملکت میں شرکت کی ہنڈیا چوراہے میں پھوٹے گی ۔ انگریز بھی اپنے آئندہ اغراض کے لیے اس برصغیر کو متحد رکھنا چاہتا تھا اور ہندو بھی اکھنڈ بھارت کا طالب تھا ۔ مسلمان

© rasailojaraid.com

بھی اس ملک کی سیاسی وحدت کو توڑنے پر مُصر نہ تھا فقط ضروری تحفظات کا آرزومند تھا جن کے نہ انگریز ضامن بنتے تھے اور نہ ہندو صدق دلی سے کفیل۔ نوبت بہ ایں جا رسید کہ دیگر تمام منصوبوں کو اپنے لیے باعث خطرِ عظیم سمجھ کر مسلمانوں نے مجبور ہو کر اس کا مطالبہ کیا کہ کم از کم مشرق و مغرب میں ملک کے ایسے حصے ان کے حوالے کر دیے جائیں جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔

اب اگر کوئی پوچھے کہ پاکستان کیسے بنا اور کس نے بنایا تو اس کے کئی جواب ہو سکتے ہیں اور کوئی جواب صداقت سے معرا نہیں۔

(۱) پاکستان تقدیرِ الٰہی نے بنایا۔ خدا کو یہی منظور تھا کہ مسلمانوں کی راہِ راست سے ہٹی ہوئی ملت کو بھی آزادی سے اپنے آپ کو درست کرنے کا موقع حاصل ہو۔ مسلمانوں پر حجت قائم ہو جائے اور پھر وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ غیر مسلموں کے اقتدارِ محیط میں ہم اسلامی زندگی بسر کرنے کے معاملے میں معذور تھے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ عوام و خواص کی عرصۂ دراز سے دبی ہوئی تشفی نایافتہ خواہش تھی کہ اس وسیع خطے میں کوئی ایسی مملکت ہو جس کو وہ اپنی کہہ سکیں استبدادِ اغیار کا اس میں دخل نہ ہو۔

(۳) تیسرا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ پاکستان غیر مسلموں کی تنگ نظری نے بنایا۔ اگر ان میں سیاسی وسعتِ نظر اور معاشرتی عدل و رواداری ہوتی اور وہ مسلمانوں کے بے ضرر مطالبات و تحفظات کو نہ ٹھکراتے تو مسلمان باہمی سمجھوتے سے ملک کی سیاسی و وفاقی وحدت کو توڑنے پر کبھی اصرار نہ کرتے۔

بعض لوگوں نے پاکستان کا بانی قائدِ اعظم جناح کو قرار دیا لیکن ہم نے ان کے ساتھیوں سے سنا ہے کہ وہ کہتے تھے ایسا ہرگز نہ کہو مجھ ناچیز میں اس عظیم مملکت کو معرضِ وجود میں لانے کی ہمت یا قوت کہاں تھی۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ مذکورۂ صدر تمام اسباب نے جمع ہو کر سیاست کا رخ سیلاب کے بے پناہ دھارے کی طرح ادھر پھیر دیا ـــــ اور خدائے قدیر پر عقیدہ رکھتے ہوئے میرا یقین یہ ہے کہ پاکستان خدا نے بنایا کیونکہ پاکستان کا وجود نہ انگریز چاہتا تھا اور نہ غیر مسلم اور اس کے قیام کے لیے مسلمان کے پاس کوئی طاقت نہ تھی۔

سوال ـــــ جب مسلمان پاکستان حاصل کرنے پر تُل گئے تو وہ اس کی غایت کیا بیان کرتے تھے۔ کیا ان کے ذہنوں میں زندگی کا کوئی مخصوص نقشہ تھا جس کے مطابق وہ اپنی سیاست و معیشت و سیرت کو ڈھالنا چاہتے تھے۔ کیا وہ دنیا کے سامنے کوئی مقاصد پیش کر رہے تھے یا خدا کو حاضر و ناظر جان کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے روبرو کوئی وعدہ کر رہے تھے کہ اسے خدا ہمیں ایک آزاد مملکت نصیب کر تاکہ ہم تیری مرضی کے مطابق عدل و رحم کی بنا پر ایک معاشرہ قائم کر سکیں ؟

جواب ——— ہاں شہر و دیہات، میدان و کہسار سے یہ نعرہ بلند ہو رہا تھا، پاکستان کا مطلب کیا، لا الٰہ الا اللہ ۔ ہمیں ملک مل جائے تو ہم اپنی سیرتوں کو کثافتوں سے پاک کریں گے۔ خدائے واحد کی پرستش کریں گے ۔ مال و منال، جاہ و اقتدار کی پوجا نہ کریں گے۔ فقط دوسروں کی کرسیاں سنبھال کر ہم تجارتوں اور صنعتوں پر جابرانہ و ظالمانہ قبضہ نہ کریں گے ۔ ہماری جائز کمائی میں سائل و محروم کا حق ہوگا ۔ ہم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں جدوجہد کریں گے۔ ہم اسلامی مساوات قائم کریں گے۔ ہم غیر مسلموں کے ساتھ کمال درجے کی رواداری اور دلجوئی سے کام لیں گے ۔ کوئی شخص محنت و مشقت کرنے والے طبقے کے بنیادی اور اسلامی حقوق پر دست اندازی نہ کر سکے گا ۔ ہمارے ملک میں ارباب من دون اللہ کی پرستش نہ ہو گی ۔ ہمارے ہاں حاکموں اور محکوموں کے درمیان کوئی خلیج حائل نہ ہو گی ۔ ہم عدلِ محض سے بڑھ کر احسان کو اپنا شیوہ بنائیں گے۔ ہم جابر قوی کی سرکوبی کریں گے اور انصاف طلب عاجز کی حمایت کریں گے ۔ ہماری آئین ساز مجالس میں آزادی سے منتخب شدہ فرض شناس اور دردِ ملت رکھنے والے نمائندے قوانین عدل کے واضع اور ان کی عمل پیرائی کے نگران ہوں گے۔ ہمارے ہاں اقتدار دولت مندوں اور خدا کی زمین کے وسیع خطوں پر قابض افراد کو حاصل نہ ہو گا ۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس ہماری ہی نسبت فرمایا ہے ۔ ہم اس معیار پر پورا اترنے کی کوشش کریں گے ۔ ہم ایک ایسا دستورِ مملکت بنائیں گے جو تمام اقدارِ حیات کا جامع اور ضامن ہو گا ۔ اس کی بنیاد اسلامی ہو گی ۔ اس میں مشرق یا مغرب کی کورانہ تقلید و نقالی نہ ہو گی ۔ کیونکہ مشرق و مغرب دونوں صراط مستقیم سے ہٹے ہوئے ہیں ۔ بقول علامہ اقبال :

بگذر از خاور و افسونیٔ افرنگ مشو ۔۔۔ کہ نیرزد بہ جوے ایں ہمہ دیرینہ و نو

یہ وعدے ہم نے کس سے کیے ؟ ایک طرف اپنی قوم سے اور دوسری طرف اپنے خدا سے، اور ان وعدوں اور مقاصد کو ہم نے اس زور شور سے دہرایا کہ تمام عالم کو گواہ بنا لیا ۔ اغیار نے ان وعدوں اور دعووں کو یاوہ گوئی اور تعلّی سمجھا ۔ لیکن ہم خود جو کچھ کہہ رہے تھے وہ صدق دل سے کہہ رہے تھے ۔

سوال ——— پاکستانی مسلمانوں نے اپنے عمل سے بھی اس کا کوئی ثبوت دیا یا نہیں کہ یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وعدے صمیم قلب سے کیے گئے تھے۔ کیونکہ ایمان و یقین کا قطعی ثبوت عمل کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔

جواب ـــــ اس میں کوئی شک نہیں کہ چند پیشہ ور شاطرانِ بساطِ سیاست کو مستثنےٰ کرکے زیادہ تر ملت کے عوام و خواص عادلانہ اور صالحانہ زندگی کے آرزومند تھے اور وہ امید رکھتے تھے کہ ان بلند نصب العینوں کی جانب ضرور اہم اقدامات ہوں گے۔ لیکن افسوس ہے کہ نتیجہ توقع کے خلاف اور امید کے منافی نکلا۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ معارانِ پاکستان نے کچھ نہیں کیا ہر سمت میں کچھ نہ کچھ ترقی ہوئی لیکن انقلابی اور ایثاری ذہنیت کے ساتھ جو کچھ ہوسکتا تھا اس کا عشر عشیر بھی معرضِ وجود میں نہ آیا۔ ایک نہایت قلیل گروہ کو البتہ وہ فوائد حاصل ہوئے جو پاکستان کے قیام کے بغیر ان کو ہرگز حاصل نہ ہوسکتے تھے۔ تجارت میں مسلمان پس ماندہ تھے جس کے کئی وجوہ تھے۔ اس ملک میں زمانۂ قدیم سے غیر مسلم تجارتوں پر قابض تھے۔ وہ اپنی کمائی کا ایک نہایت قلیل حصہ زندگی کی اہم اور ناگزیر ضروریات میں صرف کرتے تھے اور باقی ماندہ منافع مسلسل سرمائے میں اضافہ کرکے تجارت کو بڑھاتا تھا۔ اس کے علاوہ قریباً ہر غیر مسلم جس کے پاس تھوڑا سا سرمایہ بھی ہو زیادہ تر مسلمانوں کو قرض دے کر سود در سود سے اپنی دولت اور مسلمان کے افلاس میں اضافہ کرتا چلا جاتا تھا۔ اس اندازِ حیات والے گروہ کے مقابلے میں مسلمان اگر تجارت کرنا بھی چاہتا تو بے بس ہوجاتا تھا۔ متقی مسلمان سود کو سُوَر سمجھتے تھے۔ اگرچہ شرعاً اس طرح کی ربوٰخواری صرف لینے والے ہی کے لیے جرم نہ تھی بلکہ دینے والا بھی گنہ گار ہوتا تھا۔ لیکن مسلمان لے تو نہیں سکتا تھا دیتا چلا جاتا تھا۔ انگریزی عہد میں بنک یا انگریزوں کے تھے اور یا ہندوؤں کے۔ مسلمان کوئی بنک قائم نہ کرسکتا تھا۔ جب کبھی کسی نے ایسی کوشش کی تو غریبوں کی قلیل پس انداختہ رقموں کا اس میں صفایا ہوگیا۔ کسی مسلمان کلرک کو کسی بنک میں کوئی ملازم نہ رکھتا تھا کیونکہ غیر مسلموں نے یہ خیالِ باطل پھیلا دیا تھا کہ مسلمان کو حساب کتاب نہیں آتا۔ کسی مسلمان کا کسی بنک میں خزانچی ہونا تو محال تھا کیونکہ خزانچی بننے کے لیے پشتینی صراف ڈھونڈے جاتے تھے اور ان سے ایک کثیر رقم کی ضمانت لی جاتی تھی۔ مسلمان نہ صرافہ جانتا تھا اور نہ اتنی بڑی رقم کی ضمانت پیش کرسکتا تھا۔ پاکستان بننے کے بعد انگریز کا تسلط بنکوں، صنعتوں اور تجارتوں پر اگرچہ مفقود نہ ہوا لیکن بہت کم رہ گیا۔ اس کے ساتھ ہی غیر مسلموں کے بنک بند ہوگئے۔ بڑی بڑی تجارتیں بے مقابلہ مسلمانوں کے ہاتھ آگئیں۔ بڑی صنعتوں کے معاملے میں یہ صورتِ حال تھی کہ پاکستان کے دونوں خطے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زیادہ تر کاشت کاروں کے ملک تھے اور بڑی بڑی صنعتیں اور کارخانے اس حصۂ ملک میں تھے جو دوسروں کے سپرد ہو گیا۔ پاکستان میں روئی تھی مگر کپڑا نہیں تھا اور دوسری ضروریاتِ زندگی کے لیے باہر سے درآمد لازمی تھی۔ اہم ضروریات کو پورا کرنے کے لیے بڑی بڑی فیکٹریاں ضروری تھیں۔ شروع میں تو صاحب سرمایہ مسلمانوں نے اس کی طرف توجہ نہ کی کیونکہ درآمد و برآمد کے آسان اور یقینی کاروبار سے ان کو نفع کثیر حاصل ہو جاتا تھا۔ پاکستان کے اربابِ حل و عقد نے ان کو بڑی مشکل سے اس طرف راغب کیا اور جب ان کو یقین ہو گیا کہ ایک عرصہ تک حکومت ہم سے ٹیکس نہ لے گی اور ہر لحاظ سے ہماری معاونت کرے گی اور من مانی قیمتوں پر ہم مصنوعات کو فروخت کر سکیں گے تو جلب منفعت کے لیے بڑے بڑے سرمایہ دار اس طرف لپک پڑے۔ ایک ایک سال میں کروڑ کے دو کروڑ اور دو کروڑ کے چار کروڑ آسانی سے بننے لگے۔

شنیدم زبیرانِ دینار سنج کہ زر زر کشد در جہاں گنج گنج

اکثر بڑے زمینداروں نے بھی قیام پاکستان کے بعد اپنے ہاتھ خوب رنگے۔ کچھ تو گرانی کے اسباب عالمی اسباب تھے۔ ہر ملک میں قیمتوں میں کم و بیش اضافہ ہو رہا تھا لیکن اکثر بڑے زمینداروں نے خلقِ خدا کی ایک بنیادی حاجتِ حیات کو بے دردانہ خود غرضی سے نظر انداز کرتے ہوئے زمین کی پیداوار کو مناسب وقت پر منڈیوں میں جانے سے روکا تاکہ قلت کی وجہ سے قیمتیں چڑھ جائیں اور پھر بڑھی ہوئی قیمتوں پر پیداوار کو فروخت کیا جائے۔ ان منافع میں کاشت کار کا کوئی حصہ نہ تھا۔ اس کو قوتِ لایموت بڑی دشواری سے میسر آتی تھی حالانکہ فصلوں کی آبیاری اس کی محنت کے پسینے نے کی تھی۔ وہ دل ہی دل میں کڑھتا ہوا زبانِ حال سے اقبال کا ہم نوا تھا:

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

زمین زیر کاشت سے ہی ان کو بہت وافر رقم مل جاتی تھی اس لیے بہت سے مملوکہ رقبوں کو بے کاشت ہی چھوڑ دیا۔ تاجر تو اپنے منافع کو اضافۂ تجارت میں لگاتا ہے اور کارخانہ دار بھی منافع سے کارخانوں کی توسیع کرتا ہے خواہ ذاتی مفاد ہی اس کے مدنظر ہو۔ مگر بڑے زمینداروں نے بڑھتی ہوئی آبادی کے لیے اضافۂ رزق کی کچھ کوشش نہ کی اور ناجائز طور پر حاصل کردہ منافع کو یا اسرافِ تعیش پر صرف کیا یا سیاسی اقتدار کے حصول میں کثیر رقمیں خرچ کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ آبادی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلسل بڑھتی گئی اور زمین کی پیداوار گھٹتی گئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ یہ قوم محض روٹی کے مقابلے میں مسکین و محتاج و محرومِ وسائل بن گئی۔ پاکستان کی قلیل آمدنی باہر سے چالیس پچاس کروڑ کا غلّہ خریدنے کے لیے ناکافی تھی لہٰذا دیگر اقوام سے بھیک مانگنے کی ذلت کا آغاز ہوا۔ جو قوم غیر اقوام سے بھیک مانگ کر نانِ شبینہ کا بندوبست کرنے پر مجبور ہو جائے اس کی سیاسی و معاشی و ثقافتی و مذہبی آزادی اسی وقت سوخت ہو جاتی ہے۔ دوسروں کی طرف ہاتھ پھیلانا اور گداگرانہ تواضع و تملق کو اپنا شیوہ بنانا کسی فرد یا قوم کی خودداری اور خود اختیاری کو ملیامیٹ کر دیتا ہے،

ہاں تملق پیشگی دیکھ آبرو والوں کی تو — اور جو بے آبرو تھے ان کی خودداری بھی دیکھ (اقبال)

پاکستان کو معرضِ وجود میں آئے ہوئے دس برس ہو گئے لیکن عوام کی جس صلاح و فلاح کے لیے یہ مملکت خدا کی طرف سے عطا ہوئی تھی اس کا کہیں شائبہ بھی نظر نہیں آتا۔ ایک فی صد سے کم طبقہ بہ سہولت یافتہ دولت میں مست ہو گیا اور ان میں سے بعض نے سیاسی اقتدار کا حصول اپنا شغل بنا لیا۔ جیسا کہ امرا کے لیے جب کچھ مفید کام نہیں ہوتا تو وہ شکار کھیلتے ہیں یہ لوگ ووٹوں کے حصول کے لیے انسانوں کا شکار کھیلنے لگے۔ صرف قوم کے عام افراد ہی نہیں بلکہ یہ اقتدار پسند لوگ خود بھی بساطِ شطرنج کے مہرے بن گئے۔ اچھے مقاموں میں پہنچے ہوئے ہر حیلے سے اپنی حفاظت میں لگ گئے اور پٹے ہوئے مہرے بھی مایوس نہ ہوئے کیونکہ وہ امید لگائے رکھتے تھے کہ جہاں بساط الٹی اور نیا کھیل شروع ہوا تو پھر وہ اپنے پہلے خانوں میں جاگزیں ہو جائیں گے۔

سرکاری ملازموں کی حالت بھی بحیثیت مجموعی بگڑ گئی۔ ان میں بعض ایسے تھے اور بفضلہ اب بھی موجود ہیں، جنھوں نے عدل اور تندہی سے اپنے فرائض انجام دیے، مگر ان کی تعداد تھوڑی ہے۔ زیادہ تر ایسے تھے جو بے سند و استعداد خالی کرسیوں پر متمکن ہو گئے، جائے خالی را دیو می گیرد۔ اس سے قبل کچھ انگریز کا دباؤ اور رعب تھا اور اس کو قبول کرنا پڑے گا کہ اکثر انگریزوں میں نظم و نسق کی صلاحیت بھی زیادہ تھی، اور کچھ غیر مسلموں کی رقابت اور سعیِ مسابقت کی وجہ سے چوکنا رہنا پڑتا تھا۔ اب سرکاری ملازموں کے لیے یہ اوپر کا دباؤ اور رعب رہا نہ رقیبوں سے خبردار رہنے کی ضرورت اور نہ مقابلے کی حاجت، سئیاں بھئے کوتوال اب ڈر کاہے کا۔ اس کے علاوہ ملازمتوں میں خرابی اس لیے بھی پیدا ہوئی کہ سیاست کے اقتدار طلبوں نے ان کو بھی ڈرانا دھمکانا اور للچانا شروع کیا۔ اگر کسی نکمے کلرک بلکہ چپراسی کو بھی سرزنش کرنا چاہا ہو تو ممکن نہ تھا کیونکہ کسی وزیر صاحب کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرف سے ٹیلیفون کھڑکتا تھا کہ یہ تو ہمارا آدمی ہے اس کے ساتھ کچھ زیادتی نہ کیجیے۔ اگر کوئی ڈپٹی کمشنر یا اونچی سطح کا کوئی اور عہدہ دار ایمانداری سے اپنے فرائض انجام دیتا ہوا الیکشن میں معاون نظر نہ آتا تھا تو اس کو دھمکی دی جاتی تھی کہ یا ہماری مرضی کے مطابق چلو یا تمہیں اٹھا کر کہیں اور پھینک دیں گے جہاں تمہاری فرض شناسی ہمارے مفاد میں خلل انداز نہ ہو سکے۔

سوال ـــــ کسی مغربی مفکر کا مقولہ ہے کہ کسی قوم کی حکومت اس کی سیرت عامہ سے بلند تر نہیں ہو سکتی۔ کیا ہم اس سے یہ دل شکن اور مایوس کن نتیجہ نکالیں کہ خاص افراد اور طبقوں کو متہم کرنا درست نہیں، جیسی قوم ہے ویسی ہی اس کی حکومت و معیشت و سیاست ہے؟

جواب ـــــ اس کا جواب یہ ہے کہ قوم کی سیرت میں بنیادی طور پر کوئی ناقابل علاج بیماری نہیں۔ یہ قوم صحیح قیادت میں جان تک کی قربانی میں دریغ نہیں کرتی۔ اس کا ثبوت بارہا مل چکا ہے۔ پاکستان کے قیام پر جو جوشِ عمل تھا اس نے اس قیامت میں بھوکوں ننگوں اور بقیۃ السیف مخلوق کو سنبھالنے میں خواب و خور کو عام و خاص پر حرام کر دیا اور اس قوم کے عوام تن من دھن سے اس تخریب کو تعمیر میں بدلنے کے لیے مشقت کش مزدور بن گئے۔ افسوس یہ ہے کہ اس دور میں پاکستان کو انقلابی قائد کافی تعداد میں نصیب نہ ہوئے جن کے سینوں میں مجاہدانہ جذبہ ہوتا۔ سوال یہ ہے کہ یہ انقلاب آفریں جوش کیوں ٹھنڈا پڑ گیا۔ عوام نے ایسے لیڈر کیوں پیدا نہ کیے جو ان کے جذبات سے تعمیری کام لے سکتے۔ حکیم امت کہہ گئے تھے کہ میں اس کشتِ ویراں سے مایوس نہیں ہوں۔ اگر نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہو سکتی ہے۔ یہ کشتِ ویران اس انقلاب کے بعد بھی کیوں ویران کی ویران رہی۔ اس کو کس نے آبیاری اور نمناکی سے محروم کیا۔ بنی اسرائیل کی قوم خراب تھی لیکن انبیائے کرام جیسے لیڈر اس قوم میں پیدا ہوتے رہے جن کی بدولت یہ قوم ہلاکت انگیز تباہیوں کے باوجود بھی بار بار سنبھلتی رہی اور تاریخ عالم اس کو طاقِ نسیاں پر نہ دھر سکی۔

سوال ـــــ کیا کچھ ایسے اسباب نہیں تھے جنھوں نے عوام کی سیرت میں بھی خلل ڈالا ہو؟

جواب ـــــ یقیناً ایسے اسباب کا پتہ چلانا دشوار نہیں۔ پہلا سبب تو یہ ہے کہ صدیوں سے یہ قوم غلامی میں مبتلا رہی ہے۔ یہ غلامی بہت پرانی ہے۔ جب مسلمان کہلانے والوں کی سلطنتیں تھیں تب بھی رعایا کا وظیفہ محض اطاعت تھا اور یہ عقیدہ راسخ ہو گیا تھا کہ مصائب آسمانی و سلطانی کو صبر سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برداشت کرنا چاہیے۔ تمام اقتدار یا مطلق العنان بادشاہوں کے پاس تھا یا ان کے وزراء و امراء و درباری اس میں حصہ دار تھے۔ کچھ علما کو بھی وظائف دے کر محض عبادات مشاغل اور ان کی تلقین کے لیے امور سلطنت سے الگ کر دیا جاتا تھا۔ یا جاگیردار تھے جن کو سلطانی خدمات یا خوشامد سے بڑی بڑی جاگیریں حاصل تھیں۔ کوئی یک ہزاری کوئی پنج ہزاری کوئی ہفت ہزاری۔ حفاظتِ حقوق کے لیے عوام کی کوئی تنظیمات نہ تھیں اور استبداد کی وجہ سے عوام اس قدر بے بس تھے کہ اپنی جان بچانا اور اپنی روٹی اور ذاتی آبرو کی فکر کے علاوہ ان کے پاس نہ ہمت تھی اور نہ فرصت:

رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند　　گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش　(حافظ)

اگر شہ روز را گوید شب است ایں　　بباید گفت اینک ماہ و پرویں

خلافِ رائے سلطاں رائے جستن　　بدستِ خویش باید دست شستن　(سعدی)

مطلق العنانی میں عوام و خواص، علما و صلحا سب اپنے تئیں بے بس پاتے تھے۔ امام غزالی علیہ الرحمہ جیسے محی الملت والدین انسانِ عظیم نے بھی یہی کہا کہ فاسق و فاجر و جابر سلاطین سیرت و تقویٰ کے لحاظ سے امیر المومنین تو نہیں لیکن اگر ایسے لوگ بھی نہ ہوں تو حکومت کا نظم و نسق قائم نہ رہے۔ چونکہ اور کوئی چارہ نہیں اس لیے ایسوں کی اطاعت بھی فرض ہے، اگرچہ لا طاعۃ فی المعصیۃ ایک اٹل اصولِ اسلامی ہے۔

ایسی حکومتیں خلافتِ راشدہ کے بعد تا حال بنتی اور بگڑتی رہیں۔ لیکن ان کا انداز وہی قیصر و کسریٰ کا انداز تھا جس کی بیخ کنی اسلام کے مقاصد اولیٰ میں سے ایک نہایت اہم مقصد تھا۔ مسلمانوں کی حکومتوں کے زوال کے بعد اس برصغیر میں خواہ مرہٹے حکمران بنے اور خواہ سکھ یا بعض حصوں میں مسلمان بادشاہوں کی حکمرانی باقی رہی لیکن مطلق العنانی بدستور جاری رہی۔ مسلم اور غیر مسلم سب کا یہی انداز تھا۔ عوام نے اس کو تقدیر الٰہی سمجھ لیا تھا۔ حامیانِ دین کچھ جاہل تھے اور عالم ہونے کے باوجود خاموش یا فتوے فروش۔ ان میں سے بہت نادر کوئی اللہ کا بندہ مجدد الف ثانیؒ کی طرح سر بکف ہو کر شہنشاہ کہلانے والوں کے مقابلے میں کھڑا ہو جاتا تھا۔ لیکن علمائے دین کا عام طبقہ جامد و خود فراموش تھا۔ ہر کہ شمشیر زند سکہ بنامش خوانند۔ جو بزورِ شمشیر بادشاہ بن بیٹھا اس کا خطبہ پڑھنا فرائضِ دین میں شامل کر لیا۔

مغربی پاکستان کہلانے والے خطے میں سکھوں نے حکومت قائم کی تو مسلمان عوام و خواص سب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دبک کر رہ گئے۔ سکھوں کی حکومت کا خاتمہ ہوا تو انگریز آئے جن کا نظم و نسق تو بہتر تھا لیکن ان کے مقاصد سامراجی تھے۔ عوام کو ان کے حقوق سے آشنا کرنا اور حاکم و محکوم میں مساوات قائم کرنا ان کے اغراض کے منافی تھا۔ انھوں نے نوابوں اور جاگیرداروں کو اور استوار کیا تاکہ ان کو آلۂ کار بنا کر عوام کی محنت سے نفع اندوزی کی جائے۔ انگریز خود سرمایہ دار تاجر قوم تھی۔ یہاں کے سرمایہ داروں، سود خواروں اور بڑے تاجروں کو انھوں نے اپنی لوٹ کھسوٹ میں قلیل حصے کا مالک بنا کر شریک کر لیا۔ پیروں کو بھی بڑے بڑے زمیندار اور جاگیردار بنا دیا اور ان میں سے بعض کو نائٹ ہڈ بھی عطا کی۔ اسی طرح بعض پیرزادے نواب سر فلاں فلاں ہو گئے۔

قصہ کوتاہ یہ کہ صدیوں سے عوام کو نہ کسی حکومت نے اپنے حقوق سے آشنا کیا اور نہ حقوق طلبی کے لیے کوئی ادارے قائم کرنے دیئے۔

پاکستان بننے کے بعد لوگوں کو توقع تھی کہ صدیوں سے قائم شدہ یہ ناہموار اندازِ زیست بدل جائے گا لیکن اتنا مرض کہن چند دنوں میں کیسے زائل ہو سکتا ہے۔ پاکستان کے قیام کے بعد جن چند افراد کے ہاتھوں نے عنانِ اختیار و اقتدار سنبھالی وہ بھی سیاست کی قدیم سنت پر عمل کرنے لگے۔ لیکن عوام کے دلوں سے یہ خیال محو نہیں ہوا کہ یہ مملکت عوام کی بھلائی کے لیے قائم کی گئی تھی۔ چونکہ ان کی حالت میں کوئی بہتری پیدا نہیں ہوئی اس لیے اضطراب اور یاس کا عالم ہے۔ عوام کو یقین ہے کہ رکاوٹوں اور مسائل کی پیچیدگی کے باوجود جو کچھ بھلائی ممکن ہو سکتی تھی اس کا عشر عشیر بھی ظہور میں نہیں آیا۔ ان کو چاروں طرف ابتری دکھائی دیتی ہے۔ عوام کے ہاں مرض کی تشخیص کچھ غلط نہیں اور جو علاج ان کے ذہن میں آتے ہیں وہ بھی بہت کچھ درست ہیں لیکن موثر تدابیر کی نسبت مایوسی کا یہ عالم ہے کہ:

کوئی صورت نظر نہیں آتی کوئی تدبیر بر نہیں آتی

ہر ایک اس انتظار میں ہے:

گنبدِ نیلوفری رنگ بدلتا ہے کیا دیکھیے اس بحر کی تہہ سے اچھلتا ہے کیا

سوال ——— اس ہمہ طرفی خرابی کے مختلف لوگ مختلف وجوہ بتاتے ہیں۔ کوئی تو غیر مسلم اسلام دشمن مبلغوں کی طرح یہ الاپ رہا ہے کہ خود اسلام ہی ایک بودا مذہب ہے اور باطنی و خارجی خرابیوں کا علاج اس سے نہیں ہو سکتا بلکہ یہ خرابیاں خود اس مذہب کی بدولت پیدا ہوئی ہیں اس لیے اگر الحادی اشتراکیوں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرح اس دفترِ بے معنی کو ملیا میٹ ہی کر دیا جائے تو ترقی کی راہیں کشادہ ہو جاتی ہیں۔ دیکھیے روس اسی طرح ایک زبردست عالمی قوت بن گیا اور دیکھتے دیکھتے اس نے وسیع پس ماندہ خطوں کو جنتِ ارضی بنا دیا۔ ایک دوسرا گروہ کہتا ہے کہ نہیں اسلام تو اعلیٰ درجے کا مذہب اور ابدی صداقتوں کا حامل دین ہے اور دنیا و آخرت میں فلاح کا ضامن ہے۔ مسلمانوں کا حال اس لیے ابتر ہوا کہ انھوں نے اس دین سے روگردانی کی۔ اسلام تو اچھا ہے لیکن مسلمان بڑے ہو گئے ہیں۔ اسلام کو غیر ضروری اور مزاحمِ ارتقا سمجھنے والے یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ مغرب میں جن ملتوں نے علم و فن اور معیشت میں اصلاح و ترقی کی ہے وہ کہاں کے مسلمان ہیں۔ اس لیے اسلام کے پاس فلاحِ انسانی کا کوئی اجارہ نہیں۔ خوبیاں اور خرابیاں تو ہر قوم میں ہوتی ہیں لیکن انگریزوں جیسی غیر مسلم قوم میں خوبیوں کا پلڑا خرابیوں سے بھاری دکھائی دیتا ہے اور فقط کورانہ تعصب ہی اس حقیقت کا انکار کر سکتا ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ہم میں خرابیوں کا پلڑا جھک کر زمین بوس ہو گیا ہے اور دوسرے پلڑے میں خوبیاں گردِ میزان یا پاسنگ کے برابر رہ گئی ہیں۔

جواب — اسلام کو دینِ برحق سمجھنے والا مومن اور اس کے حقائقِ ابدی سے آشنا انسان فقط یہی جواب دے سکتا ہے کہ اسلام کے اصول کسی ایک قوم کا اجارہ نہیں محض اقرار باللسان سے کوئی فرد یا قوم مسلمان نہیں کہلا سکتی۔ خود قرآن کریم نے اس حقیقت کو تنبیہہ کے طور پر واضح کر دیا تھا کہ ان اصولوں کو اگر تم نے نہ اپنایا تو یہ قیمتی لائحۂ عمل دوسری اقوام کے سپرد کر دیا جائے گا۔ جو تم جیسی نہ ہوں گی۔ جس قوم نے جس پہلو میں کوئی مفید ترقی کی ہے وہ کسی نہ کسی اصولِ اسلام ہی پر کاربند ہونے کا نتیجہ ہے خواہ وہ قوم اسلام کے نام سے آشنا نہ ہو۔

عرصۂ دراز سے مسلمان تاریخی حوادث کا شکار رہے ہیں جن کا لب لباب استبداد ہے۔ اسلام تحقیق کا طالب ہے تقلید کا متمنی نہیں اور تقلید کا جو پہلو اسلام میں ہے اس کو بھی عقل و اجتہاد سے الگ نہیں کر سکتے ہم اس وقت زیادہ تر پاکستان کی حالت اور پاکستان کے مسلمانوں کے انحطاط تک اس مختصر گفتگو کو محدود کرنا چاہتے ہیں۔ صدیوں کے استبداد کے نتائج کا ہم سرسری طور پر ذکر کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ اور اسباب بھی قیامِ پاکستان کے وقت اور اس کے بعد پیدا ہو گئے جنھوں نے یہاں کے مسلمانوں کی سیرت پر تخریبی اثر ڈالا۔ ان اسباب کو بھی ہم اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ پہلا سبب تقسیمِ ملک کی ہنگامی قیامت انگیزی ہے۔ لاتعداد مسلمان قتل ہو گئے۔ جوانوں، بچوں، بوڑھوں، عورتوں، امیروں اور غریبوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سب کو اس محشر خیزی سنے ستم زدہ، حیران و پریشان، بے گھر بے در بنا دیا۔ اس قسم کی تباہی سے چند نفوس عالیہ کے سوا عام انسانوں کی روحانی اور اخلاقی بنیادیں متزلزل ہو جاتی ہیں۔ اس طرف قوم کے عوام اور نو قائم شدہ حکومت سنے شروع میں ان کو کسی قدر سنبھالا لیکن ان کے لیے پوری طرح مطمئن روزگار اور انداز حیات پیدا کرنا نہایت دشوار ہی نہیں بلکہ محال تھا۔ یہاں نفسا نفسی پھیلی۔ تمام لوگ غیر مسلموں کی متروکہ جائیدادوں منقولہ اور غیر منقولہ دولتوں پر ٹوٹ پڑے۔ جو بہت کچھ کھو کر آیا تھا اس نے ہر چیز پر قبضے کو حلال اور جائز سمجھا اور جس نے کچھ نہ چھوڑا تھا وہ بھی اس عام لوٹ میں شریک ہو گیا۔ حکومت سنے اس بارے میں انصاف کی جو کوشش کی وہ نہایت ڈھیلی اور خلل آمیز تھی۔ نظم و نسق جن ارباب عقل و عقد کے سپرد ہوا ان میں اگر صالحانہ جرأت اور انتظامی صلاحیت کی کمی نہ ہوتی تو وہ چار سال کے اندر اندر حق بحق دار رسید کی منزل تک پہنچ سکتے تھے۔ حاکم و محکوم دونوں کی کمزوریوں اور نفس پرستیوں نے اس اہم مسئلے کو طے نہ ہونے دیا۔ جو حکومت آئی اس نے بہ بانگ دہل بلند بانگ دعوے اور وعدے کیے۔ لیکن لوگ آخری فیصلے کا انتظار ہی کرتے رہے۔ لاکھوں مسلمانوں کے دعاوی جائداد نے بھی اس مسئلے کے حل میں مزاحمتیں پیدا کیں۔ اس کے علاوہ جو کچھ جس کے ہاتھ لگا وہ ہضم کر گیا یا دبا بیٹھا۔ اکثر حق دار دیکھتے رہ گئے اور ناحق والوں نے دولتیں، جائیدادیں اور تجارتیں سمیٹ لیں۔

دولت والوں کو حرص نے تباہ کیا اور ناداروں کو حسب ارشاد نبوی افلاس کفر کے قریب لے آیا جس وقت کسی قوم کی معاشی زندگی میں اس قسم کی ہڑبونگ مچ جائے تو اخلاقی اقدار بھی اس کے ساتھ ہی ناپید ہو جاتے ہیں کیونکہ اخلاق کا انداز معیشت اور قوم کی اقتصادی حالت سے چولی دامن کا ساتھ ہے۔ دین اور دنیا زندگی کے دو پہلو ہیں جب ایک پہلو میں خلل پیدا ہوتا ہے تو دوسرا پہلو متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

سوال —— کیا متروکہ جائیداد کے حل نا شدہ مسئلہ کے علاوہ بھی معاشی اور اخلاقی خرابی کے کچھ اور وجوہ بھی قیام پاکستان کے بعد معرض وجود میں آئے؟

جواب —— ہاں ایک اور بڑا سبب تخریب بھی ہے جو عام و خاص کسی کی نظر سے اوجھل نہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ پاکستان ایک خالص زرعی ملک تھا جس میں بڑی صنعتیں قریباً مفقود تھیں۔ ملک کو جدید انداز میں صنعتی بنانے کے لیے خارجی ممالک سے کثرت سے مشینوں اور دیگر سامان کی ضرورت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھی اور اس کی خریداری کے لیے پونڈ اور ڈالر کی قسم کا خارجی سکہ بکثرت درکار تھا۔ خارجی کرنسی کے حصول کا ذریعہ ہماری قسم کی مملکت کے لیے زیادہ تر یہی ہے کہ ہم اپنی خام پیداوار ان ممالک کو دیں جن سے ہمیں مشینوں اور ضروری سامانوں کو حاصل کرنا ہے۔ جب کبھی آسمانی آفات مثلاً سیلاب یا خشک سالی سے فصلیں اچھی نہ ہوئیں ہماری قوتِ خرید کم ہو گئی اور جو کچھ خارجی کرنسی تھوڑی خام پیداوار سے حاصل ہو سکتی تھی، اس کو اچھی اغراض کے لیے محفوظ رکھنا ضروری تھا اور تاجروں کو درآمد کے لیے علاوہ عام نہ مل سکتی تھی۔ اس کے لیے لائسنسوں کے ذریعے سے روک تھام لازم ہو گئی کہ جس شخص کو جتنی مقدار اور جس چیز کی درآمد کا لائسنس ملے وہی چیز اتنی مقدار میں فروخت کے لیے بازارِ عام میں آ سکتی ہے۔ چیزوں کی مانگ کچھ ضرورت سے اور کچھ تعیش کی بدولت بہت تھی اور چیزیں کم نظر آتی تھیں۔ جب مطلوبہ اشیا کی بازار میں کمی ہو تو تاجران کی قیمت بڑھا دیتے ہیں، اس طرح سے گرانی بڑھ گئی جس نے لوگوں میں اضطراب پیدا کر کے انھیں بدحواس ہی نہیں بلکہ بداخلاق بھی بنا دیا۔ لائسنس حاصل کرنے کا دستور ایک اور ماخذِ معصیت بن گیا۔ کثرت سے ایسے لوگ ناجائز ذرائع سے لائسنس حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے جو سرے سے اس چیز کے تاجر ہی نہ تھے اور اگر تاجر تھے تو انھوں نے لائسنس کو دگنی قیمتوں میں دوسروں کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہوتے ہوئے چیز کی قیمت دگنی ہو گئی۔ اس کے بعد دوسرے نے تیسرے کے ہاتھ بیچا تو قیمت تگنی ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو چیز باہر کسی ملک میں ایک روپے میں مل سکے اس کا یہاں تین روپوں میں بھی ملنا دشوار ہو گیا۔ جہاں کسی چیز پر کنٹرول ہوا چیز بازارِ عام سے غائب ہوئی یا دگنی تگنی قیمت میں ملنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی اسمگلنگ کا بازار گرم ہوا۔ ناجائز درآمد و برآمد اس پیمانے پر جاری رہی کہ حکومت اور رعایا دونوں پریشان ہو گئے۔ درآمد کے لائسنسوں میں اربابِ حل و عقد نے یہ ناعاقبت اندیشی بھی کی کہ سامانِ تعیش کے لیے بھی کثرت سے لائسنس جاری کر دیے جو خارجی کرنسی کو کھا گئے جس کی ضرورت تعمیرِ ملت کے لیے اشد تھی۔ حکمرانوں اور اوپر کے طبقوں نے سادہ زندگی کی کوئی مثال پیش نہ کی اسبابِ تعیش کی طلب اور سامان کی گرانی نے رشوت کا بازار گرم کر دیا۔ نیچے سے لے کر اوپر تک ایک ایماندار تاجر یا عام خریدار کے لیے کاروبار دشوار اور زندگی کٹھن ہو گئی۔ کوریا کی جنگ کے زمانے میں خام پیداوار کی قیمتیں بہت چڑھ گئیں اور یہ آفت زرعی ممالک کے لیے رحمت بن گئی اور پاکستان کے خزانے میں بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلی مرتبہ اتنی خارجی کرنسی جمع ہو گئی کہ اگر اس کو حفاظت سے تعمیری کاموں کے لیے بچایا جاتا اور صرف کیا جاتا تو پاکستان کے استحکام میں بہت مدد مل سکتی تھی۔ لیکن اس نعمت کو بھی ارباب حل و عقد نے اللوں تللوں میں اڑا دیا۔ غیر ضروری سامان کے لیے دھڑا دھڑ لائسنس جاری کر دیے گئے اور ضروری اور غیر ضروری کاموں کے لیے ملک سے باہر جانے والوں نے بھی اس پر ہاتھ صاف کیا۔ معمولی بہانوں سے ہزارہا لوگ کانگرسوں، کانفرنسوں، جلسوں اور تفریحوں کے لیے ملک سے باہر جانے والوں نے اس دولت کو گھسیٹا، کچھ اڑایا اور کچھ بچایا لیکن اس کے نتائج ملی کا کسی کو احساس نہ ہوا۔

سوال —— کیا بھارت کی پاکستان دشمنی نے بھی ہمارے حالات کی تخریب میں کچھ حصہ لیا۔

جواب —— ہماری معاشی خرابیوں میں یقیناً ایک قوی عنصر بھارت کی جارحانہ سیاست بھی ہے۔ بھارت کے قائدوں اور معماروں نے پاکستان کے وجود کو شروع ہی سے ایک سرطان یا ناسور سمجھا۔ شدید سیاسی مجبوری نے ان کو ایک کٹے پھٹے پاکستان کو قبول کرنے پر راضی کر لیا تھا۔ مگر ان کے دل میں یہ تمنا شعوری اور غیر شعوری طور پر باقی رہی کہ جس طرح بھی ہو سکے پاکستان کو بے بس بنایا جائے۔ کشمیر پر غاصبانہ قبضہ اور تمام اقوام عالم کی قریباً متفقہ رائے کے خلاف ان کی ہٹ دھرمی، نہروں کے پانی کی نسبت ان کا غیر منصفانہ اور انسانیت کش رویہ، یہ سب انداز ایسے تھے کہ پاکستان بھی بے خطر نہ ہو سکا کہ اطمینان سے تعمیری کاموں میں لگ جائے۔ ایک کم مایہ ملک کو چھپتر کروڑ روپیہ سالانہ کے قریب دفاع پر صرف کرنا پڑا۔ اگر ہندوستان کا رویہ اور اس کی دھمکیاں ہم کو خطرے میں نہ ڈالتیں تو ہم اس رقم کا کثیر حصہ تعمیری کاموں میں صرف کر سکتے تھے۔ زندگی ایک حال پر ٹھہر نہیں سکتی جہاں تعمیر و ترقی نہ ہو وہاں تخریب ضرور پیدا ہوتی ہے۔ بھارت سے خطرہ بھی ہماری معاشی تخریب کا ایک اہم ماخذ ہے۔

سوال —— کیا سب خرابیاں خارجی حالات ہی کا نتیجہ ہیں یا ارباب حل و عقد کی خرابی سیرت، فقدان بصیرت اور تساہل و تغافل بھی اس کی ذمہ دار ہے۔

جواب —— من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
که با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہر کس از دستِ غیر نالہ کند   سعدی از دستِ خویشتن فریاد

کیا کوئی باہمت فرد یا قوم محض حالات کے سامنے بے بس ہو کر سپر انداختہ ہو جاتی ہے۔ زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز۔ تاریخ ہمارے سامنے باہمت اقوام کی کئی مثالیں پیش کرتی ہے جن کے حالات اور مصائب و مشکلات کہیں زیادہ تھے۔ انھوں نے جو عروج اور وقار حاصل کیا وہ نامساعد حالات پر غلبہ پا کر کیا۔ جاپان کے پاس نہ لوہا تھا اور نہ کوئلہ لیکن ہمت اور جذبۂ تعمیرِ ملت تھا جس کی بدولت وہ ان اہم عناصر کے نا پید ہونے پر بھی دنیا کی ایک عظیم صنعتی طاقت بن گئے جن کے مقابلے میں فرنگ کا صنعتی تمدن لرزنے لگا۔ سامان انسان پیدا نہیں کرتے انسان سامان پیدا کرتے ہیں۔ طلوعِ اسلام کے وقت مسلمانوں کے پاس روم و ایران کی ترقی یافتہ تہذیبوں اور باثروت تمدنوں کے مقابلے میں کیا تھا۔ فقط اللہ اور اس کا رسول بقول اقبال:

قافلہ ہو نہ سکے گا کبھی ویراں ترا   غیر یک بانگِ درا کچھ نہیں ساماں ترا

کیا ہمارے پاس جو کچھ وسائل تھے ان سے ہم نے کما حقہٗ کام لیا۔ جواب یہ ہے کہ ہرگز نہیں۔ کیا تاجروں نے عام خریداروں کی کچھ پروا کی، ہرگز نہیں۔ کیا بڑے بڑے کارخانہ داروں نے عوام کو کچھ فائدہ پہنچایا۔ ہاں مصنوعات کی روز افزوں کثرت سے عوام کو کچھ تو دستیاب ہوا لیکن منافع کا کثیر حصہ سرمایہ دار کارخانہ دار کھا گیا اور اس نے اس گنجِ بادآورد کا عشرِ عشیر بھی قوم کے تعمیری کاموں کے لیے وقف نہ کیا۔ پاکستان اصلاً ایک زرعی ملک ہے۔ کیا ہم نے تمام قابلِ کاشت زمین کو زیرِ کاشت لانے اور کاشت کار کے ساتھ انصاف کرنے کی کوئی کوشش کی۔ روٹی کے لیے غیروں سے مسلسل بھیک مانگنے کی نوبت آئی بلکہ عادت پڑ گئی لیکن بڑی زمینداری اور جاگیرداری کی نسبت موثر اقدامات ممکن نہ ہو سکے۔ رشوت ستانی کا قانونی موثر علاج ہوا؟ ہرگز نہیں۔ چھوٹے چور کبھی کبھی پکڑے جاتے ہیں مگر بڑے چوروں پر ہاتھ ڈالنا مشکل ہے۔ کیا ہم نے اسلامی مساوات و جمہوریت قائم کرنے کی کوئی کوشش کی؟ ہرگز نہیں۔ دس برس میں ایک مرتبہ بھی مرکزی حکومت عوام کی رائے طلبی کا انتظام نہ کر سکی۔ کیا اسلامی وحدتِ ملی کو استوار کرنے کی کوئی کوشش کی گئی۔ مغربی پاکستان میں عام و خاص اقبال کے اشعار الاپتے رہے:

یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو   تم سبھی کچھ ہو بتاؤ کہ مسلمان بھی ہو

نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم   چمن زادیم و از یک شاخساریم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن خود غرض سیاسی شاطر لوگوں میں یہ تبلیغ کرنے لگے کہ خالص مذہبی رشتہ کوئی استوار رشتۂ مودت نہیں۔ لسانی اور نسلی وحدتیں زیادہ فطری ہیں لہذا پنجابی پنجابی ہے اور سندھی سندھی، بلوچی بلوچی ہے اور پٹھان پختونی! اور یہ وحدت کا ڈھونگ زبردستی رچایا گیا ہے۔ دس بارہ نمائندوں سے ووٹ حاصل کرنے کے لیے اس وحدت کو پھر پارہ پارہ کرنے کی پیش کش ہونے لگی اس طرح اس اہم معاملے میں بھی فسادبازیاں شروع ہو گئیں۔ دوسرے ملکوں میں سیاسی پارٹیاں اہم سیاسی اور معاشی اختلافات کی بنا پر بنتی اور بگڑتی ہیں مگر ہمارے یہاں اصول کا سوال نہیں رہا سیاست فقط شخصیتوں کا اکھاڑا بن گئی۔ اس اکھاڑ پچھاڑ کا تماشہ دیکھتے ہوئے لوگ تنگ آ گئے۔ یہ سب چند سرمایہ داروں اور بڑے زمینداروں کا ہیر پھیر ہے۔ کسی اکھڑنے یا پٹخنی کھانے والے وزیر کے لیے کسی کے دل میں کوئی جذبہ نہیں لوگ اس کو کٹھ پتلیوں کا تماشہ سمجھتے ہیں اور جب کسی پرانی وزارت کا تختہ الٹتا ہے اور نئی وزارت آتی ہے تو انھیں چند لوگوں میں ادل بدل ہوتا ہے اور عام و خاص یہی کہتے ہیں کہ "ماراچہ ازیں قصہ کہ گاؤ آمد و خر رفت۔"

سوال —— پس چہ باید کرد اے اسلامیاں؟

جواب —— اس کا جواب سہل بھی ہے اور دشوار بھی۔ سہل جواب یہ ہے کہ اسے خاص و عام اپنے نفوس کی اصلاح کرو۔ از روئے حکمتِ قرآنی خدا کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنے نفوس کی حالت نہ بدل لے۔ لیکن ایسے خراب حالات میں نفسوں کی حالت کس طرح بدلے۔ کچھ لوگ آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں کہ 'مردے از غیب بروں آید و کارے بکند'۔ لیکن کروڑوں انسانوں کا اپنی سیرت سازی اور اصلاح ملت سے مایوس ہو کر خود کوئی جدوجہد نہ کرنا ان اقوام کا شیوہ رہا ہے جنھوں نے حالات سے مغلوب ہو کر کسی مسیح و مہدی کا انتظار شروع کر دیا۔ جن قوموں میں خودداری کا جذبہ مفقود نہیں ہوا وہ خدا کی بخشی ہوئی قوت و اختیار سے اپنی تقدیر کی معمار بننے میں کوشاں رہتی ہیں؛

تا کجا طور پہ دریوزہ گری مثلِ کلیم اپنی مٹی سے عیاں شعلۂ سینائی کر

اس قوم کو ایسے محب وطن مجاہد افراد کی ضرورت ہے جو سیاست کی شطرنج کے مہرے بننے سے گریز کریں اور خدمت خلق کے لیے مخلصانہ کام کریں۔ اپنی زندگیوں سے خلوص کی مثالیں پیش کریں۔ فقط فروعی عقائد کی بحثوں میں نہ الجھیں اور سیاسی اکھاڑے کی طرح مذہبی فرقہ سازی اور دھڑابندی کے اکھاڑے نہ بنائیں۔ کافروں کو مسلمان کرنے کی بجائے مسلمانوں کی تکفیر پر کمر نہ باندھیں۔ مذہب کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آڑ میں ذاتی اغراض اور تنگ نظر تعصبات کو اسلام کا معیار نہ بنائیں ۔ جن قوموں کو عروج و فروغ حاصل ہوا ہے وہ مختصر اور منتخب صاحبانِ بصیرت و ہمت کی بدولت ہوا ہے ۔ آپ قوم میں سے ایسا گروہ پیدا کیجیے ۔ ہمیں یقین ہے کہ پاکیزہ نفوس کی ایک مختصر جماعت بھی اگر اس قوم میں پیدا ہو جائے تو وہ تمام قوم میں خمیر کا کام کر سکتی ہے ۔ انسانوں کو اقوال سے نہیں بلکہ اعمال سے جانچا جاتا ہے ۔ اگر ایک مختصر جماعت بھی کشادہ دلی اور ہمت سے حالات درست کرنے پر آمادہ ہو جائے تو وہ دیر و زود ضرور تمام ملت کی کایا پلٹ سکتی ہے ۔ یہ کام نہ خود غرض سیاس کر سکتے ہیں اور نہ تنگ نظر حامیانِ دین ۔ یہ ہم سب کا فرض ہے کہ عدل و احسان کو اپنا شیوہ بنا کر حالات کا مقابلہ کریں اور ملت کی خفتہ صلاحیتوں کو بیدار کر دیں ۔ ہمیں نہ تو سیاست کا کھیل کھیلنے والوں سے کچھ توقع رکھنا چاہیے اور نہ دولت اندوز سرمایہ داروں اور بڑے زمینداروں سے جن کی خود غرضی تمام خرابیوں کی جڑ ثابت ہوئی ہے ۔

اسلام کا نظریہ حیات

از ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم

یہ کتاب خلیفہ صاحب مرحوم کی مشہور و معروف انگریزی تصنیف "اسلامک آئیڈیالوجی" کا ترجمہ ہے جس میں اسلام کے اساسی اصول و عقائد کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسلامی نظریہ حیات کی تشریح جدید انداز میں کی گئی ہے ۔

قیمت ۸ روپے

ملنے کا پتہ :

سکریٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ ، کلب روڈ ، لاہور

© rasailojaraid.com